 

21-08-2017

ان کہی

مفتی منیب الرحمٰن

ان کہی کا انگریزی ترجمہ ہم Untold کیے دیتے ہیں۔ اس عنوان کا خیال ہمیں اس لیے آیا کہ سپریم کورٹ کی جانب سے نا اہلی اوراس کے نتیجے میں وزارت عظمیٰ سے معزولی کے بعد سابق وزیر اعظم جناب نواز شریف تسلسل کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ میرا سینہ بہت سے رازوں کا دفینہ ہے اور وقت آنے پر میں ان رازوں سے پردہ اٹھاؤں گا، وہ یہ بھی کہتے ہیں: ''مجھے معلوم ہے آگے میرے ساتھ کیا ہوگا''، وغیرہ۔ اس پر تجزیہ کار انہیں چھیڑتے ہیں کہ نواز شریف کے دل میں کچھ ہے، لیکن دل کی بات بتاتے نہیں ہیں، داغ دہلوی نے کہا ہے:

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں　　　صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

تجزیہ کار اور اینکر پرسنز نواز شریف سے مطالبہ کر رہے ہیں: ''کچھ تو کہیے! کہ لوگ کہتے ہیں'' تاکہ گلشن کا کاروبار چلے، موافقت اور مخالفت میں مجالسِ دانش سجیں، حالانکہ میاں صاحب جو کہنا چاہتے ہیں، وہ کوئی دس تہوں میں مستور سربستہ راز نہیں ہے، بلکہ کھلا راز ہے۔ سوال کرنے والے اینکر پرسنز اور تجزیہ کار زیادہ فصاحت وبلاغت کے ساتھ ان کے دردِ دل اور رازِ دروں کو بیان کر سکتے ہیں، ان میں سے بعض اسکرپٹ رائٹر، طاقت کے غیر مرئی مراکز اور مقتدرہ وغیرہ کے اشارات وکنایات استعمال بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن صراحت کا حوصلہ کسی میں نہیں ہے، کیونکہ یہ وہ ممنوعہ وادی ہے جہاں سب کے پر جلتے ہیں، بندہ ''گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل'' کے کرب سے دوچار ہوتا ہے، یعنی دردِ دل کے اظہار کا حوصلہ نہیں رکھتا، کیونکہ اس کے عواقب کا سامنا کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا اور جذبات کو ضبط کرنا بھی دشوار ہوتا ہے، کسی نے کہا ہے:

اگر سچ کہتا ہوں، مزا الفت کا جاتا ہے　　　جو چپ رہتا ہوں، کلیجہ منہ کو آتا ہے

شیخ سعدی شیرازی نے کہا ہے:

مرا سوزیست اندر دل، اگر گویم زبان سوزد　　　وگر پنہان کنم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

ترجمہ: ''میرے دل میں جذبات کا ایسا شعلہ موجزن ہے، کہ اگر انہیں زبان پر لاؤں تو خدشہ ہے کہ زبان جل جائے گی اور اگر انہیں دل میں چھپائے رکھتا ہوں تو اندیشہ ہے کہ جذبات کی حرارت سے ہڈیوں کا گودا تک جل جائے گا''۔

اس طرح کے سوال کو عربی کے علم المعانی میں ''تحصیلِ حاصل'' یا ''استعلامِ معلوم'' کہتے ہیں، یعنی سائل ایک ایسا سوال کر رہا ہے

جس کا جواب اسے خود معلوم ہے۔ صحیح بخاری، حدیث: 50 میں سید المرسلین ﷺ کی بارگاہ میں جبریل امین ایک اجنبی شخص کے روپ میں آئے، زانوئے تلمذ تہ کر کے بیٹھ گئے اور ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور آثارِ قیامت کے بارے میں صحابۂ کرام کو تعلیم دینے کی نیت سے سوال کرنے لگے، ان میں سے ایک سوال تھا: ''قیامت کب آئے گی''، آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا ہے، وہ اُس کی بابت سائل سے زیادہ نہیں جانتا''۔ یہاں عالم ہونے کی نفی نہیں ہے، بلکہ ''اَعلَم'' (سب سے زیادہ جاننے والا) ہونے کی نفی ہے اور کسی ایک چیز کے متعلق جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ علم میں مساوات تمام کائنات (بشمول جن وانس وملائکہ) پر عظمتِ مصطفی ﷺ کے منافی نہیں ہے۔ عرض کرنے کا مُدّعا یہ ہے کہ جو راز باخبر تجزیہ کاروں کو معلوم ہے، وہ جناب نواز شریف کی زبانی کہلوانا چاہتے ہیں۔

تاہم 18 اگست کو جناب پرویز رشید نے لب کھولے ہیں اور صراحت وکنایات کے ملے جلے انداز میں بات کی ہے۔ انہوں نے جنرل پرویز مشرف کی بدروح اور اسٹیبلشمنٹ کا نام لیا ہے اور سابق وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان کو بھی ذمے دار قرار دیا ہے کہ ہماری وزارت ہمارے خلاف کام کر رہی تھی اور اس کے قرائن بھی موجود ہیں۔ 28 جولائی کو سپریم کورٹ کی جانب سے فیصلہ سنائے جانے سے قبل چوہدری نثار علی خان پریس کانفرنس کے لیے بے تاب تھے، میڈیا قیاس آرائی کر رہا تھا کہ فیصلہ کم از کم دو ہفتے کے لیے مؤخر ہو گیا ہے، کیونکہ اگلے ہفتے کا روسٹرم جاری ہو گیا ہے اور پاناما بنچ کے ایک جج دس دن کے لیے بیرونِ ملک رخصت پر جا رہے ہیں، البتہ جناب عمران خان اور جناب شیخ رشید جمعے کی جانب اشارہ کر رہے تھے۔ پس 27 جولائی کی شام جونہی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان کی پریس کانفرنس ختم ہوئی، اس کے آدھے گھنٹے کے بعد بریکنگ نیوز ٹیلی ویژن اسکرین پر چل پڑی کہ کل پاناما کیس کا فیصلہ سنایا جائے گا، اس سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انہیں معاملات کا پتا تھا، کیونکہ پولیس اور رینجرز کی سیکورٹی کے انتظامات ان کی وزارت کی ذمے داری تھے، اس کے علاوہ پیپلز پارٹی سے تناؤ کے ذمے دار بھی وہی تھے۔

19 اگست کو چوہدری نثار علی خان بھی بول پڑے ہیں اور اشارتاً جناب پرویز رشید کو ڈان لیکس کا ذمے دار قرار دیا ہے، مزید تفصیلات 20 کی شام ان کی پریس کانفرنس میں سامنے آئیں گی۔ چیف آف آرمی اسٹاف جناب جنرل قمر جاوید کا ایک بیان بھی قومی میڈیا پر نظر سے گزرا: ''جمہوریت آگے بڑھ رہی ہے، تمام ادارے ''ایمانداری'' سے کام کر رہے ہیں''، اس میں اشارات تو واضح ہیں اور دانا لوگوں نے کہا ہے: ''عاقل را اشارہ کافی است''، کیونکہ اس سے آئینی ادارے ہی مراد ہو سکتے ہیں، جن میں عدلیہ بھی شامل ہے۔

میثاقِ اَخلاق:

ایک صاحبِ درد کالم نگار ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی نے معاصر قومی اخبار میں لکھا ہے: ''سیاسی رہنماؤں کے درمیان میثاقِ جمہوریت کی طرح ایک میثاقِ اَخلاق یعنی Charter of Ethics بھی مرتب ہونا چاہیے''۔ پس ہمارے الیکٹرانک میڈیا اور سیاسی کلچر میں جو اخلاقی تنزّل کی بیماری نفوذ کر گئی ہے، اس پر سب اہلِ نظر کو تشویش ہے۔ مہذّب اور متمدّن قوموں میں اختلافِ رائے کے باوجود باہمی احترام کا ایک رویّہ ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو دشنام اور تذلیل وتضحیک سے گریز کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کا ردِّ عمل بھی ناگزیر ہوتا ہے، حدیثِ پاک میں ہے:

 

(۱) ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ پر لعنت کرے، عرض کی گئی: یارسول اللہ! کوئی اپنے ماں باپ پر کیونکر لعنت کرے گا؟، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کسی شخص کے باپ کو گالی دیتا ہے اور (ردِ عمل میں) وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، وہ دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے اور وہ (جواباً) اس کی ماں کو گالی دیتا ہے، (بخاری:5973)''۔

(۲) ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ پر لعنت کرے، عرض کی گئی: یارسول اللہ! کوئی اپنے ماں باپ پر کیونکر لعنت کرے گا؟، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کسی شخص کے باپ پر لعنت کرتا ہے اور وہ (ردِ عمل میں) اس کے باپ پر لعنت کرتا ہے، وہ دوسرے کی ماں پر لعنت کرتا ہے اور وہ (جواباً) اس کی ماں پر لعنت کرتا ہے، (سنن ابوداؤد:5141)''۔

یہی اصول قرآنِ کریم میں بیان ہوا ہے: ''اور وہ (مشرکین) جن (باطل معبودوں) کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں، انہیں برا نہ کہو، مبادا وہ سرکشی اور جہالت کے سبب اللہ کی شان میں بے ادبی کرگزریں، (الانعام:108)''۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص جس گناہ کا باعث بنے، اس کا وبال اس پر بھی آئے گا اور اس کے ردِ عمل کی ذمے داری اس پر ہی عائد ہوگی۔ قرآن وحدیث کی اس حکمت آمیز تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ہم اپنے کسی بزرگ اور رہنما کی تکریم چاہتے ہیں، تو ہمیں دوسروں کے بڑوں کی توہین سے گریز کرنا ہوگا، ورنہ ہم خود اپنے بزرگ یا رہنما کی توہین کا سبب بنیں گے۔ آج کل ہماری سیاست میں جو اقدار پروان چڑھ رہی ہیں، وہ منفی بنیادوں پر ہیں، یعنی ہم اپنی عِزّو شرَف کی عمارت دوسرے کی توہین پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنی پروڈکٹ کی خوبیاں بیان کرکے اس کی مارکیٹنگ نہیں کر رہے، بلکہ دوسرے کی پروڈکٹ کی خامیاں بیان کرکے اپنا مال بیچنا چاہتے ہیں، یہ منفی حربہ ہے اور کبھی بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح سیاسی جماعتوں کو اپنا مثبت، تعمیری اور فلاحی پروگرام لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے، نہ کہ دوسروں کے پروگرام کو ہدفِ تنقید بنانے پر اکتفا کریں۔ آج کل سیاسی رہنماؤں کے خطابات دوسروں کی تضحیک وتحقیر پر مبنی ہوتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے رہنماؤں کا اپنا رویہ اور طرزِ عمل اعلیٰ اخلاقی اقدار تو دور کی بات ہے، اوسط اخلاقی معیار پر بھی پورا نہ اترے، تو اُن کے کارکنان اور پیروکاروں سے اعلیٰ اخلاقی قدروں کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے، غالب نے کہا ہے:

مری تعمیر میں مُضمَر ہے اک صورت خرابی کی ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

سو ہماری ریاست کی اداراتی تشکیل میں بھی ایک خرابی در آئی ہے اور ایک وائرس نفوذ کرگیا ہے اور وہ ریاست کے اہم اداروں کے درمیان باہمی اعتماد کا فُقدان اور ایک طرح کا کمیونیکیشن گیپ ہے، اس کے لیے دو باتیں ضروری ہیں: ایک یہ کہ وقفے وقفے سے آپس میں اجلاس ہو اور اتفاق رائے سے پالیسیاں تشکیل دی جائیں، سو جو بھی لائحہ عمل طے ہو، اُس کو سب اپنائیں اور اس کے اسٹیک ہولڈر بنیں۔ دوسری یہ کہ آئے دن میڈیا پر ان حساس موضوعات کو زیرِ بحث لانے کی روایت کی حوصلہ شکنی کی جائے، اس سے بحیثیت مجموعی ریاست کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں جو تنقید سے بالاتر اور قابلِ احترام شخصیات ہیں، انہیں معاشرے کی رہنمائی کے لیے آگے آکر مُصلح کا کردار ادا کرنا چاہیے، اس وقت اس کی اشد ضرورت ہے۔ ایوانِ صدر ریاست کی وحدت کی علامت ہوتا ہے، لیکن آئین میں اس کا کردار محدود کردیا گیا ہے اور اسی بنا پر بحرانوں میں اس کا کردار کہیں نظر نہیں آتا۔

(روزنامہ دنیا، 21 اگست 2017ء)